ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 0240

Program: Matric (Dars-e-Nizami)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیۃ اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: قرآن حکیم (240)

پروگرام / سکیم: ماد (دو سالہ نظامی پروگرام)

سمسٹر: خزاں 2026ء (Autumn 2026)

امتحانی مشق نمبر 1

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 40

USMAN NOTES www.usmannotes.com

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE — For Study & Reference

نوٹ برائے طلبہ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے لیے ہے۔ براہِ کرم اسے ہو بہو نقل نہ کریں؛ ہر جواب کو سمجھ کر اپنے الفاظ میں لکھیں، کیونکہ یونیورسٹی کی ہدایات کے مطابق نقل شدہ (Plagiarised) مشق مسترد ہو سکتی ہے۔ اس گائیڈ میں آیات کا ترجمہ مفہوم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور تفسیری نکات معروف تفسیری روایت کے خلاصے کے طور پر بیان کیے گئے ہیں؛ عملی شرعی مسائل میں مستند علماء کرام سے رجوع کریں۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1: سورۃ الفیل کا ترجمہ اور تفسیر کریں۔ (20)

تعارف

سورۃ الفیل قرآن مجید کی ایک سو پانچویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے اور اس میں پانچ آیات ہیں۔ اس کا نام پہلی آیت میں مذکور لفظ "الفیل" یعنی ہاتھی سے لیا گیا ہے، کیونکہ اس میں اس مشہور تاریخی واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں یمن کے حکمران ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرماتے ہوئے اس لشکر کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ یہ واقعہ ۵۷۱ء کے سال پیش آیا جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اسی لیے اس سال کو تاریخ میں "عام الفیل" یعنی ہاتھی والا سال کہا جاتا ہے۔ سورت کا بنیادی مقصد یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ کعبہ کی حرمت اور حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے مقابل نہیں آسکتی، اور یہی واقعہ آگے چل کر اس سرزمین سے آخری نبی کی بعثت کی تمہید بھی تھا۔ طالب علم کے لیے اس سورت کا مطالعہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں تاریخ، عقیدہ اور عبرت تینوں پہلو یکجا ملتے ہیں۔

ترجمہ (مفہوم)

مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر اور چال کو ناکام نہیں بنا دیا؟ پھر اللہ نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر پھینکتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا، یعنی جس طرح جانور دانہ کھا کر بھوسے کو چبا چبا کر بے حیثیت کر دیتے ہیں اسی طرح وہ عظیم لشکر تہس نہس ہو کر رہ گیا۔ اس ترجمے میں یہ بات قابل غور ہے کہ پہلی آیت میں "دیکھنے" سے مراد آنکھ سے دیکھنا نہیں بلکہ دل کی آنکھ سے غور کرنا اور اس واقعے کی شہرت و تواتر سے علم حاصل کرنا ہے، کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے قریب زمانے کا تھا اور اہل مکہ میں بچے بچے کی زبان پر تھا، گویا یہ منقول و مشہور خبر یقینی علم کا درجہ رکھتی تھی۔

تفسیر و تشریح

واقعے کی تفصیل جو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں منقول ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کا حبشی نائب السلطنت ابرہہ بن الصباح حمیری یہ دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوا کہ تمام عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں، چنانچہ اس نے صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کروایا اور چاہا کہ لوگ کعبہ کے بجائے اس کا طواف کریں۔ جب اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور

ایک عرب نے اس کلیسا کی توہین بھی کر دی تو وہ قسم کھا کر نکلا کہ کعبہ کو ڈھا کر رہے گا۔ اس کے لشکر میں بڑے بڑے ہاتھی تھے جن میں ایک غیر معمولی جسامت کا ہاتھی بھی تھا؛ عربوں نے ہاتھی پر سوار فوج پہلے نہ دیکھی تھی اس لیے یہ لشکر ان کے لیے انتہائی خوفناک تھا۔ مکہ کے سردار حضرت عبدالمطلب نے کمال وقار کے ساتھ یہ موقف اختیار کیا کہ اونٹ میرے ہیں، ان کی حفاظت میرا فرض ہے، رہا یہ گھر اللہ کا ہے، وہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حرمت کی خاطر پرندوں کے ذریعے اس لشکر کو تباہ کر دیا؛ روایات میں ان پرندوں کو ابابیل کہا گیا ہے اور ان کے پھینکے ہوئے کنکروں سے لشکر میں مہلک وبا اور تباہی پھیل گئی، ابرہہ خود بھی عبرتناک انجام کو پہنچا۔

اس سورت سے کئی اہم دینی و اخلاقی اسباق حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس مقامات اور اپنے دین کی حفاظت خود فرماتا ہے؛ انسان کا کام اسباب اختیار کرنا اور اللہ پر توکل رکھنا ہے، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ دنیاوی طاقت، اسلحہ اور عددی برتری اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی؛ ابرہہ کا لشکر ظاہری اسباب کے اعتبار سے ناقابل شکست تھا مگر کمزور ترین مخلوق یعنی چھوٹے پرندوں کے ذریعے ہلاک ہوا۔ تیسرا سبق تکبر و حسد کے انجام سے متعلق ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کے مقابلے پر اپنی عظمت قائم کرنا چاہتا ہے وہ خود مٹ جاتا ہے اور اللہ کا دین باقی رہتا ہے۔ چوتھا نکتہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بعثت نبوی کی تمہید تھا: اللہ نے اس سال اپنے گھر کی حفاظت اس لیے بھی نمایاں فرمائی کہ اسی سال اس گھر کے سب سے بڑے خادم اور آخری رسول کی ولادت ہونے والی تھی۔ اہل مکہ کے لیے یہ سورت ایک زندہ یاد دہانی تھی کہ جس اللہ نے تمہارے سامنے یہ معجزہ دکھایا، اسی کی عبادت کرو اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت قبول کرو۔

اس واقعے کی ایک اور اہم جہت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک زندہ معجزہ دکھا کر دراصل ان پر حجت تمام کر دی تھی؛ جب چند ہی برس بعد اسی شہر میں توحید کی دعوت بلند ہوئی تو ان کے پاس یہ کہنے کی گنجائش نہ رہی کہ ہم نے اللہ کی قدرت کا کوئی نمونہ نہیں دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین اس سورت کو سیرت نبوی سے جوڑ کر پڑھاتے ہیں، کیونکہ عام الفیل سے لے کر بعثت تک کے واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں: پہلے گھر کی حفاظت، پھر اس گھر کی طرف بلانے والے رسول کی آمد، اور پھر اس دین کا غلبہ جس کی بنیاد ہی کعبہ کی حرمت و مرکزیت پر قائم ہے۔ طالب علم اگر اس تاریخی تسلسل کو ذہن میں رکھے تو سورت کا مفہوم محض ایک واقعے کی خبر نہیں رہتا بلکہ پوری نبوی تاریخ کی تمہید بن جاتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الفیل ایک مختصر مگر پر اثر سورت ہے جو ایک یقینی تاریخی واقعے کو بنیاد بنا کر توحید، اللہ کی قدرت اور مقدسات کی حرمت کا درس دیتی ہے۔ اس کا ترجمہ ہمیں واقعے کی تصویر دکھاتا ہے اور اس کی تفسیر ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ تاریخ کے واقعات محض قصے کہانیاں نہیں بلکہ ایمان کی تجدید اور عبرت کا ذریعہ ہیں۔ آج کے دور میں بھی جب ظاہری طاقتیں حق کے مقابل صف آرا نظر آتی ہیں، یہ سورت مومن کو یہ یقین دلاتی ہے کہ آخری فتح اللہ کے دین ہی کی ہوتی ہے، بشرطیکہ اہل ایمان اپنے رب پر بھروسا رکھیں اور اس کے گھر و دین کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔ اسی یقین کے ساتھ اس سورت کا مطالعہ طالب علم کے دل میں اللہ کی عظمت اور کعبہ کی محبت کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔

سوال نمبر 2

سوال نمبر 2: سورۃ البینہ کی روشنی میں مومنین اور کافروں کے اخروی انجام پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

سورۃ البینہ قرآن مجید کی اٹھانوے ویں سورت ہے اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے، تاہم اس کا مضمون مدنی ماحول سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا براہ راست ذکر ہے۔ سورت کا آغاز اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کرنے والے اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس "بینہ" یعنی واضح دلیل نہ آ جاتی؛ اور وہ بینہ اللہ کا رسول ہے جو پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے جن میں درست اور سیدھی باتیں لکھی ہیں۔ اس کے بعد سورت دو گروہوں کے ٹھکانے اور انجام کو نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کرتی ہے: ایک طرف کافر ہیں اور دوسری طرف ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے مومنین۔ ذیل کا نوٹ اسی تقابل کو سورت کی روشنی میں تفصیل سے پیش کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آخرت میں دونوں گروہوں کا انجام کیا ہو گا اور اس فرق کی بنیاد کیا ہے۔

کافروں کا اخروی انجام

سورت میں کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق واضح دلیل کے ساتھ آچکا، مگر انہوں نے جان بوجھ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سورت بتاتی ہے کہ اہل کتاب کا اختلاف اور تفرقہ بھی بینہ آنے کے بعد پیدا ہوا، یعنی ان کا انکار جہالت کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کے باوجود ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا؛ یہی رویہ کفر کو محض اعتقادی غلطی کے بجائے اخلاقی جرم بھی بنا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے انجام کے بارے میں سورت کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور انہیں تمام مخلوق سے بدتر قرار دیا گیا ہے۔ "بدترین مخلوق" کی یہ تعبیر اس لیے ہے کہ انسان کو عقل، فطرت اور وحی جیسی نعمتیں دی گئیں تھیں؛ جس نے ان سب کے باوجود حق کو ٹھکرایا وہ اس بلند مقام سے گر کر سب سے نیچے درجے پر جا گرا۔ ہمیشگی کی وعید اس لیے بھی اہم ہے کہ دنیا کی زندگی کی چند روزہ لذتوں کے بدلے آخرت کی دائمی سزا کا سودا عقل کے سراسر خلاف ہے، اور سورت انسان کو اسی خسارے سے خبردار کرتی ہے۔

مومنین کا اخروی انجام

دوسری طرف سورت ان لوگوں کا انجام بیان کرتی ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے؛ انہیں تمام مخلوق سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد سب سے بڑی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے؛ یہ دوطرفہ رضامندی جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ نعمتوں کی لذت اسی وقت کامل ہوتی ہے جب عطا کرنے والے کی رضا بھی حاصل ہو۔ سورت کے آخر میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ یہ عظیم بدلہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے، یعنی خشیت الٰہی ہی ایمان و عمل کی اصل روح ہے؛ جو دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے وہ گناہ سے بچتا ہے اور نیکی کی طرف بڑھتا ہے۔ یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ سورت نے نجات کو صرف زبانی دعوے سے نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح سے وابستہ کیا ہے، اور اخروی کامیابی کا معیار نسب، قوم یا گروہ نہیں بلکہ ایمان، اخلاص اور عمل قرار دیا ہے؛ آیت میں عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے، نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے کو دین قیم یعنی درست دین کی بنیاد بتایا گیا ہے۔

دونوں انجام کا تقابلی جائزہ

دونوں انجام کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرق کی اصل بنیاد انسان کا اپنا انتخاب ہے: ایک نے دلیل آنے کے بعد بھی انکار کیا اور دوسرے نے ایمان لا کر عمل سے اس کی تصدیق کی۔ دنیاوی زندگی میں دونوں گروہ اکثر یک ہی ماحول میں رہتے ہیں، مگر آخرت میں ان کے راستے بالکل الگ ہو جاتے ہیں؛ ایک کے لیے دائمی آگ اور ذلت ہے اور دوسرے کے لیے دائمی جنت اور رضائے الٰہی۔ سورت کا یہ تقابل محض خبر نہیں بلکہ ترغیب و ترہیب ہے: کافر کے انجام کی شدت انسان کو کفر سے دور کرتی ہے اور مومن کے انجام کی خوبصورتی نیکی کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا فیصلہ علم اور دلیل پر مبنی ہوگا، کیونکہ اس نے پہلے بینہ بھیج کر حجت تمام کر دی؛ اب کوئی یہ عذر نہیں کر سکے گا کہ اسے حق معلوم نہ تھا۔

پہلو	کافروں کا انجام	مومنین کا انجام
سورت میں درجہ	تمام مخلوق سے بدتر	تمام مخلوق سے بہتر
ٹھکانا	جہنم کی آگ	ہمیشہ رہنے والی جنتیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں
مدت	ہمیشہ ہمیشہ	ہمیشہ ہمیشہ
خاص نعمت / کیفیت	حق جانتے ہوئے انکار کی سزا	اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی
بنیاد	بینہ آنے کے بعد بھی انکار و ہٹ دھرمی	ایمان، اخلاص، نماز، زکاۃ اور اعمال صالحہ

یہاں ایک اور باریک نکتہ قابل توجہ ہے کہ سورت نے انجام کا فیصلہ دو صفوں میں بانٹ دیا ہے؛ درمیان میں کوئی تیسرا گروہ نہیں رکھا گیا۔ اس دوٹوک تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے معاملے میں بے طرفی ممکن نہیں: یا انسان بینہ قبول کر کے مومنین کی صف میں کھڑا ہوتا ہے یا انکار کر کے خود کو دوسری صف میں شامل کر لیتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں انسان اکثر خود کو غیر جانب دار سمجھ کر مطمئن رہتا ہے، مگر سورت یاد دلاتی ہے کہ واضح دلیل آ جانے کے بعد خاموش انکار بھی ایک فیصلہ ہے اور اس کا نتیجہ وہی ہے

جو کھلے انکار کا ہے۔ اسی لیے علماء نے اس سورت کو دعوت کے باب میں بنیادی اہمیت دی ہے کہ حجت کے قائم ہو جانے کے بعد اصل مسئلہ معلومات کی کمی نہیں بلکہ قبولیت کے ارادے کی کمی ہوتی ہے، اور ارادے کی اصلاح ہی سے انجام بدلتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ البینہ آخرت کے دو انجاموں کو نہایت صاف اور فیصلہ کن الفاظ میں سامنے رکھتی ہے: کفر کا انجام دائمی جہنم اور بدترین مخلوق کا درجہ ہے، جبکہ ایمان و عمل صالح کا انجام دائمی جنت، بہترین مخلوق کا مرتبہ اور اللہ کی رضا ہے۔ یہ نوٹ طالب علم کو یہ سبق دیتا ہے کہ اصل کامیابی دنیا کی عارضی آسائش نہیں بلکہ وہ اخروی انجام ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ انسان بینہ یعنی قرآن و سنت کی واضح رہنمائی کو قبول کرے، اپنی عبادت اللہ کے لیے خالص کرے، اور نماز و زکاۃ جیسے فرائض کی پابندی کے ساتھ زندگی گزارے تاکہ اس کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہو جن سے ان کا رب راضی ہو گیا۔

سوال نمبر 3

سوال نمبر 3: سورۃ النصر کا ترجمہ اور تفسیر لکھیں۔ (20)

تعارف

سورۃ النصر قرآن مجید کی ایک سو سویں سورت ہے، اس میں تین آیات ہیں اور یہ مدنی سورت ہے بلکہ متعدد مفسرین کے نزدیک یہ آخری مکمل سورت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کا نام پہلی آیت کے لفظ "نصر" یعنی مدد سے لیا گیا ہے۔ اس سورت میں فتح مکہ اور دین اسلام کی تکمیل کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ اس موقع پر اختیار کیے جانے والے رویے کی ہدایت بھی دی گئی ہے کہ کامیابی کے وقت غرور کے بجائے اللہ کی حمد، تسبیح اور استغفار کا راستہ اپنایا جائے۔ صحابہ کرام نے اس سورت کے نزول سے یہ بھی سمجھا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی مہم تکمیل کو پہنچ رہی ہے، اس لیے یہ سورت بشارت کے ساتھ ایک طرح کی الوداعی تنبیہ بھی ہے۔ اسی دوہرے پہلو کی وجہ سے اس کا مطالعہ طالب علم کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

ترجمہ (مفہوم)

مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح حاصل ہو جائے، اور آپ دیکھیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس ترجمے میں تین مراحل کی طرف اشارہ ہے: پہلے نصرت الٰہی، پھر اس کے نتیجے میں ظاہری فتح، اور پھر دین میں جوق در جوق داخل ہونے والوں کا منظر؛ اور ان تینوں کے بعد مومن کا فرض یہ نہیں کہ وہ جشن منائے یا فخر کرے بلکہ یہ ہے کہ وہ حمد و تسبیح اور استغفار میں مشغول ہو جائے۔ "توبہ قبول کرنے والا" کی صفت کے ساتھ سورت کا اختتام اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو معاف فرمانے والا ہے، بشرطیکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر و تشریح

مفسرین کے نزدیک اس سورت میں "فتح" سے مراد بنیادی طور پر فتح مکہ ہے، جس کے بعد عرب قبائل کی مزاحمت کا خاتمہ ہو گیا اور لوگ قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے؛ یہی وہ دور ہے جسے وفود کا سال بھی کہا جاتا ہے کیونکہ دور دراز سے وفد آ آ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ اس پس منظر میں سورت کی ہدایت نہایت معنی خیز ہے: جب طویل جدوجہد کامیابی پر منتج ہو تو انسان طبعاً اپنی محنت پر فخر کرتا ہے، مگر قرآن یہ سکھاتا ہے کہ اصل کامیابی اللہ کی نصرت کا نتیجہ ہے، اس لیے شکر اور تسبیح اس کا حق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے عظیم موقع پر اسی تعلیم کا عملی مظاہرہ فرمایا: آپ سر جھکائے حمد و استغفار کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے اور عام معافی کا اعلان فرمایا۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ اس سورت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں کثرت سے تسبیح و استغفار پڑھا کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس سورت کو اسی عمل کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ بعض صحابہ، خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سورت سے یہ بھی اخذ کیا کہ جب دین کی تکمیل کی خبر آ گئی تو یہ قربِ وصال کی علامت ہے، چنانچہ ان کی یہ فہم درستگی کے ساتھ ثابت ہوئی۔

اس سورت سے حاصل ہونے والے اسباق ہر دور کے مسلمان کے لیے راہنما ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ نصرت و فتح اللہ کی طرف سے آتی ہے؛ اسباب اختیار کرنا انسان کا کام ہے مگر نتیجے پر اللہ کا شکر ادا کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ کامیابی کے لمحے اخلاقی امتحان کا لمحہ ہوتے ہیں؛ جو شخص جیت کر بھی عاجز رہے وہی حقیقی فاتح ہے۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ استغفار صرف گناہگاروں کے لیے نہیں؛ عبد و اطاعت میں کوتاہیوں کا احساس مومن کو ہمیشہ استغفار پر مائل رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خود معصوم ہستی کو بھی استغفار کی تلقین کی گئی تاکہ امت کے لیے نمونہ قائم ہو۔ چوتھا سبق دعوت کے کام سے متعلق ہے کہ جب دین پھیلنے لگے تو داعی کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ نئے آنے والوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے اور خود مزید عبادت میں مشغول ہو۔ یہ سورت اس لحاظ سے بھی جامع ہے کہ یہ ایک پوری دینی تحریک کے ابتدائی دور کی تکمیل اور اس کے بعد کے طرز عمل دونوں کو تین مختصر آیات میں سمو دیتی ہے۔

ایک اہم تفسیری نکتہ یہ بھی ہے کہ اس سورت میں فتح کی خبر مستقبل کے انداز میں دی گئی، حالانکہ اس کے نزول کے وقت حالات بظاہر اس کے برعکس نظر آتے تھے؛ مسلمان کمزور اور قلیل تھے مگر اللہ نے یقینی لہجے میں فرمایا کہ مدد آئے گی اور لوگ جوق در جوق داخل ہوں گے۔ اس سے اہل ایمان کو یہ اصول ملتا ہے کہ اللہ کے وعدے کو موجودہ حالات کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا؛ حالات کا بدلنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی اشاعت کا اصل محرک اللہ کی نصرت ہے، انسان کی تدبیر اس کا ذریعہ بنتی ہے اصل سبب نہیں۔ اسی لیے کامیابی کے بعد بھی مرکز توجہ نصرت دینے والا ہی رہنا چاہیے، اور یہی وہ ادب ہے جو اس سورت نے حمد و تسبیح کی صورت میں سکھایا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ النصر کامیابی کی سورت ہونے کے ساتھ شکر، عاجزی اور استغفار کی سورت ہے۔ اس کا ترجمہ اللہ کی نصرت، فتح اور دین میں عوام کے داخلے کی بشارت دیتا ہے، جبکہ اس کی تفسیر ہمیں بتاتی ہے کہ اس بشارت کا درست جواب حمد و تسبیح اور توبہ ہے، فخر و غرور نہیں۔ طالب علم کے لیے اس میں یہ ہمیشگی اصول محفوظ ہے کہ زندگی کی ہر

کامیابی کو اللہ کی نعمت سمجھا جائے، اس پر شکر کیا جائے، کمی و کوتاہی پر استغفار کیا جائے اور آخری وقت تک اسی روش پر قائم رہا جائے، کیونکہ توبہ قبول کرنے والا رب اپنے رجوع کرنے والے بندوں کو کبھی نامراد نہیں کرتا۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4: سورۃ الفلق کا ترجمہ اور تفسیر لکھیں۔(20)

تعارف

سورۃ الفلق قرآن مجید کی ایک سو تیرھویں سورت ہے، اس میں پانچ آیات ہیں اور یہ مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا نام پہلی آیت کے لفظ "الفلق" سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پھٹنا یا شگاف، اور یہاں مراد صبح کا پھٹنا یعنی طلوع فجر ہے۔ یہ سورت اور اس کے بعد آنے والی سورۃ الناس دونوں "معوذتین" کہلاتی ہیں، کیونکہ دونوں کا آغاز اللہ کی پناہ طلب کرنے سے ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہر قسم کے ظاہری و باطنی شر سے حفاظت کے لیے پڑھا کرتے تھے۔ اس سورت میں بندے کو سکھایا گیا ہے کہ وہ ہر مخلوق کے شر سے، اندھیری رات کے شر سے، جادو کے شر سے اور حاسد کے حسد کے شر سے اپنے رب کی پناہ مانگے جو صبح کو پھاڑ کر نکالنے والا ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود یہ سورت عقیدہ توحید کی عملی صورت پیش کرتی ہے کہ حقیقی پناہ دینے والا صرف اللہ ہے۔

ترجمہ (مفہوم)

مفہوم یہ ہے: کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی، اور اندھیری چھا جانے والی رات کے شر سے، اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے، اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔ اس ترجمے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ پناہ "صبح کے رب" سے مانگی گئی ہے؛ جس طرح اللہ رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر روشنی نکالتا ہے اسی طرح وہ خوف و ضرر کے اندھیروں کو بھی دور کر کے امن کی صبح طلوع کرنے پر قادر ہے، اس لیے اس صفت کا انتخاب نہایت موزوں ہے۔ دوسری آیت میں تمام مخلوقات کے شر سے عمومی پناہ مانگی گئی، اور اس کے بعد تین خاص قسم کے شرور کا ذکر الگ الگ کیا گیا جن کی تفصیل تفسیر میں آتی ہے۔

تفسیر و تشریح

پہلی قسم کا شر رات کا ہے جب وہ چھا جائے؛ رات کے اندھیرے میں چور، درندے، موذی جانور اور شریر انسان اپنے مقاصد کے لیے نکلتے ہیں اور جرائم کی اکثریت بھی اندھیرے ہی میں ہوتی ہے، اس لیے رات کے شر سے خاص طور پر پناہ مانگی گئی۔ دوسری قسم جادو کا شر ہے؛ گرہوں میں پھونک مارنے والیوں سے مراد وہ جادوگر اور جادوگرنیاں ہیں جو دھاگوں پر گرہیں باندھ کر ان پر پڑھ پڑھ کر پھونکتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی حقیقت کو قرآن نے تسلیم کیا ہے مگر اس سے بچاؤ کا راستہ تعویذ گنڈوں یا جادوگروں کے پاس جانا نہیں بلکہ اللہ کی پناہ اور مسنون اذکار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو کا اثر ہوا تو انہی معوذتین کے نزول سے آپ کو شفا حاصل ہوئی، اور آپ نے امت کو بھی انہی سورتوں کی تلاوت کی ترغیب دی۔ تیسری قسم حسد کا شر ہے؛ حاسد وہ ہے جو دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا رکھتا ہے۔ حسد بذات خود ایک باطنی بیماری ہے جو حاسد کو بھی جلاتی ہے اور محسود کے لیے بھی نقصان کا سبب بن سکتی ہے، اسی لیے اس سے پناہ کی تلقین کی گئی۔ مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہر ذی نعمت سے حسد کیا جاتا ہے، اس لیے نعمت کا اظہار ضرورت سے زیادہ نہ کرنا اور اللہ کی پناہ میں رہنا مومن کی دانشمندی ہے۔

اس سورت کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن مشکلات و خطرات کے مقابلے میں گھبراہٹ کے بجائے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ سورت یہ بھی سکھاتی ہے کہ شر کبھی اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا؛ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، شر اس مخلوق کے بعض افعال و اثرات کا نام ہے، اور پناہ بھی اسی خالق سے مانگی جاتی ہے۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ پناہ مانگنے کا یہ انداز دراصل توحید کا اعلان ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے؛ جو شخص مخلوق سے ڈر کر مخلوق ہی کی پناہ ڈھونڈتا ہے وہ شرک کے راستے پر چل پڑتا ہے، جبکہ مومن ہر خوف میں اپنے رب کو پکارتا ہے۔ اسی لیے اہل علم نے ان سورتوں کو باقاعدگی سے صبح و شام پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ طالب علم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ان سورتوں کی تاثیر کا اصل راز اللہ پر یقین اور اس کی طرف توجہ ہے؛ محض زبانی الفاظ دہرا لینا بغیر دل کی حاضری کے وہ برکت نہیں دیتا جو ان کے مفہوم کو سمجھ کر پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سورت کے آخری حکم یعنی حاسد کے شر سے پناہ میں ایک نفسیاتی حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ حسد وہ بیماری ہے جو معاشرے کی بنیادوں کو اندر سے کھوکھلا کرتی ہے؛ حاسد نہ خود سکون پاتا ہے نہ دوسرے کو سکون سے رہنے دیتا ہے۔ قرآن نے حسد کو ان بڑے شرور میں شمار کیا جن سے باقاعدہ پناہ مانگی جائے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں باطنی بیماریاں ظاہری خطرات سے کم خطرناک نہیں۔ مفسرین یہ رہنمائی بھی کرتے ہیں کہ حسد سے بچنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی تقسیم پر راضی رہے اور دوسروں کی نعمت کو دیکھ کر اپنے پاس موجود نعمتوں پر شکر کرے، جبکہ جس سے حسد کیا جائے اس کے لیے مسنون اذکار اور اس سورت کی تلاوت حفاظت کا حصار ہے۔ یوں یہ چھوٹی سی سورت فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کا مکمل نسخہ پیش کرتی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الفلق حفاظت و پناہ کی جامع دعا ہے جس میں عام و خاص ہر قسم کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ ہمیں ان خطرات کی فہرست دیتا ہے جن سے انسان دوچار ہوتا ہے، اور اس کی تفسیر یہ سبق دیتی ہے کہ ان سب کا واحد مداوا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اس کی پناہ میں آنا ہے۔ جو شخص صبح و شام ان سورتوں کو سمجھ کر پڑھنے کا اہتمام کرے گا، ان شاء اللہ وہ رات کے شر، جادو کے اثر اور حاسد کی نظر سے محفوظ رہے گا اور اس کے دل میں یہ یقین پیدا ہو گا کہ اس کا رب صبح کو پھاڑنے والا ہے اور وہی ہر اندھیرے کو روشنی میں بدلنے پر قادر ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5: سورۃ التکاثر کا ترجمہ اور تفسیر لکھیں۔ (20)

تعارف

سورۃ التکاثر قرآن مجید کی ایک سو دو نمبر سورت ہے، اس میں آٹھ آیات ہیں اور یہ مکی سورت ہے۔ اس کا نام پہلی آیت ہی کے لفظ "التکاثر" سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کثرت کی طلب میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش۔ اس سورت کا موضوع انسان کی اس فطری کمزوری کی تنقید ہے کہ وہ مال، اولاد، جاہ اور تعداد کی کثرت میں مقابلہ

کرتے کرتے موت تک غافل رہتا ہے اور آخرت کی تیاری کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ سورت کا انداز خبر دار کرنے والا ہے: یہ دنیاوی مقابلے کو بے معنی قرار دے کر انسان کو اس دن کی یاد دلاتی ہے جب اس سے نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس کی آخری آیات میں یقینی علم اور چشم دید علم جیسی بلند تعبیرات استعمال ہوئی ہیں جو اس سورت کو محض وعظ نہیں بلکہ یقین کی دعوت بناتی ہیں۔

ترجمہ (مفہوم)

مفہوم یہ ہے کہ کثرت کی دھن نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں تک جا پہنچے۔ خبر دار! تم عنقریب جان لو گے، پھر خبر دار! تم ضرور جان لو گے۔ خبر دار! اگر تم یقینی علم سے جانتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے، پھر تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھو گے، پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ اس ترجمے میں پہلی آیت کا منظر یہ ہے کہ عرب قبائل مال و اولاد کی کثرت میں فخر کرتے، حتیٰ کہ مردوں کو گننے کے لیے قبروں تک جا پہنچتے کہ فلاں قبیلے کے مردے بھی زیادہ ہیں؛ قرآن نے اسی رسم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ مقابلہ تمہیں اصل مقصد یعنی آخرت کی تیاری سے غافل کر رہا ہے اور غفلت کی انتہا یہ ہے کہ انسان کو ہوش اس وقت آئے جب وہ خود قبر میں جا اترے۔

تفسیر و تشریح

اس سورت کی تفسیر میں مفسرین نے کئی نکات بیان کیے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ "تکاثر" صرف مال کی کثرت کا نام نہیں؛ اولاد، اعوان و انصار، عہدے، شہرت اور دنیاوی جاہ و مرتبہ بھی اس میں شامل ہیں، کیونکہ غفلت پیدا کرنے والی چیز جو بھی ہو وہی انسان کو آخرت سے دور کرتی ہے۔ دوسرا نکتہ "عنقریب جان لو گے" کی تکرار سے متعلق ہے کہ یہ تاکید اس لیے ہے کہ موت کے بعد کا علم محض سننے والا نہیں رہے گا بلکہ ہر انسان خود دیکھ کر جانے گا۔ تیسرا نکتہ علم الیقین اور عین الیقین کا فرق ہے: علم الیقین وہ یقین ہے جو دلیل و خبر سے حاصل ہو، جبکہ عین الیقین وہ ہے جو آنکھوں سے دیکھنے سے پیدا ہو؛ سورت کہتی ہے کہ اگر آج خبر پر سچا یقین حاصل کر لو تو آخرت کی فکر پیدا ہو جائے گی، ورنہ کل دیکھ کر یقین تو آئے گا مگر اس وقت یقین کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ چوتھا نکتہ نعمتوں کے سوال کا ہے کہ صحت، وقت، مال، جوانی اور آسائش جیسی ہر نعمت کے بارے میں پوچھا

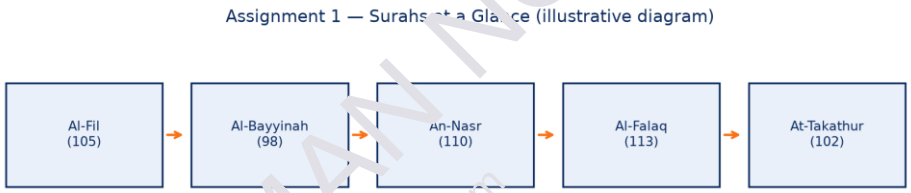
جائے گا کہ وہ کس کام میں خرچ ہوئی۔ احادیث میں نعمتوں کی مثال دیتے ہوئے امن اور صحت کو بڑی نعمتیں بتایا گیا ہے جن کی قدر انسان عموماً نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر گزاری کا تقاضا صرف زبان سے شکر ادا کرنا نہیں بلکہ نعمتوں کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرنا ہے۔

آج کے دور میں یہ سورت غیر معمولی مطابقت رکھتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنے کی دوڑ، برانڈز اور نمود و نمائش، سوشل میڈیا پر اپنے اسباب و اولاد کی نمائش اور دوسروں سے آگے نکلنے کی فکر نے جدید انسان کو اسی تکاثر میں مبتلا کر دیا ہے جس کی تنقید یہ سورت کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے مگر سکون نہیں ہوتا، کیونکہ مقابلہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا اور ہر حاصل شدہ چیز کے بعد اگلی خواہش کھڑی ہو جاتی ہے۔ سورت اس دوڑ سے نکلنے کا راستہ یہ بتاتی ہے کہ موت اور حساب کو یاد رکھا جائے؛ جس دن انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ یہ سب کچھ یہیں رہ جانا ہے اور ساتھ صرف اعمال جائیں گے، اس دن اس کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ طالب علم کے لیے خاص سبق یہ ہے کہ دنیاوی کامیابی بذات خود بری نہیں؛ بری وہ غفلت ہے جو کامیابی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ مال حلال طریقے سے [illegible] صحیح مصرف میں لگانا شکر کی عملی صورت ہے، مگر مال کو زندگی کا مقصد بنا لینا وہی تکاثر ہے جس سے یہ سورت روکتی ہے۔

مفسرین نے اس سورت کے نزول کے پس منظر میں عرب کے دو قبیلوں کے درمیان مال و اولاد کی کثرت پر فخر کے مقابلے کا واقعہ بھی نقل کیا ہے جس میں بات یہاں تک بڑھی کہ قبروں میں دفن مردے بھی گنے جانے لگے۔ اگرچہ طالب علم کے لیے واقعے کی سند سے زیادہ اس کا سبق اہم ہے کہ جب مقابلے کی نفسیات انسان پر غالب آ جائے تو وہ زندگی کی سب سے قیمتی متاع یعنی وقت کو بے مقصد دوڑ میں ضائع کر دیتا ہے۔ وقت وہ نعمت ہے جس کے بارے میں آخرت میں سب سے پہلے سوال ہو گا، اور تکاثر کی دوڑ دراصل اسی نعمت کو بغیر کسی حاصل کے برباد کرنے کا نام ہے۔ اس کے برعکس قناعت وہ دولت ہے جو انسان کو مال کی کمی کے باوجود امیر رکھتی ہے، کیونکہ قناعت کرنے والا دوسروں سے مقابلہ چھوڑ کر اپنی آخرت کی تعمیر میں لگ جاتا ہے؛ یہی وہ فکری تبدیلی ہے جو یہ سورت اپنے پڑھنے والے کے اندر پیدا کرنا چاہتی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ التکاثر غفلت کے خلاف ایک زوردار اعلان ہے۔ اس کا ترجمہ انسان کو کثرت کی دوڑ، قبروں تک کی غفلت، جہنم کے مشاہدے اور نعمتوں کے حساب کا منظر دکھاتا ہے، جبکہ اس کی تفسیر یہ سمجھاتی ہے کہ نجات کا راستہ علم الیقین حاصل کر کے زندگی بدلنے میں ہے، نہ کہ عین الیقین کے اس دن کا انتظار کرنے میں جب پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی نعمتوں کا جائزہ لے، شکر و اطاعت کو اپنائے اور دنیاوی مقابلے کو آخرت کی تیاری کے تابع رکھے؛ یہی اس سورت کا مرکزی پیغام اور اس کے نزول کا مقصد ہے۔



شکل: مشق نمبر 1 میں شامل سورتوں کا تعارفی خاکہ (دریا حتی خاکہ)

USMAN NOTES www.usmannotes.com